www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ☆

جمع قرآن ...... روایات کے آئینے میں

[طلوعِ اسلام کے اِعتراضات کا جائزہ]

معروف مفسر قرآن جناب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی ذات گرامی قدر علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر گوشے پر قلم اٹھایا ہے اور دادِ تحقیق حاصل کیے۔ آپ کی کئی تصانیف ایسی ہیں جنہیں ڈاکٹریٹ کی سطح کی تحقیق قرار دیا جاسکتا ہے۔ انکار حدیث میں پیش پیش ہستیوں کے ردّ پر کئی کتب اُردو زبان میں تصنیف فرمائی ہیں۔ صرف مسٹر غلام احمد پرویز کے اِنکار حدیث کے نظریات پر ایک ہزار صفحات پر مشتمل ایک انسائیکلوپیڈیا ''آئینہ پرویزیت'' کے نام سے علمی دنیا میں موجود ہے۔ اس تحقیقی کتاب میں مسٹر پرویز کے جمیع افکار کو زیر بحث لاکر ان پر تنقید کی گئی ہے، جن میں انکار قراءات کا نظریہ بھی شامل ہے۔

مؤلف اگرچہ متنوع قراءتوں کے مکمل طور پر قائل تھے، لیکن سبعة أحرف کی متعدد تشریحات میں سے اکثر اہل علم کی مثل امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تعبیر کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ اسی لئے اس تحریر کے مطالعہ کے ضمن میں قارئین کو اُن دیگر مضامین کا بھی ضرور جائزہ لے لینا چاہئے، جن میں سبعة أحرف کی تعبیر میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کی توضیح کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مستقل بحث تو آئندہ رُشد قراءات نمبر (حصہ سوم) میں پیش کی جائے گی، البتہ سردست زیر نظر شمارے میں جناب ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ (نواسہ صاحبِ مضمون) کے مضمون ''علم قراءات کا تعارف...... اہم سوالات و جوابات'' کا ضرور مطالعہ کرلینا چاہئے، جس میں سبعة أحرف کے ضمن میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کی مفصل وضاحت آگئی ہے۔ [ادارہ]

طلوعِ اسلام کا دعویٰ

جب قرآن کریم کی تنزیل ختم ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اتنی فرصت ہی کب ملی تھی کہ وہ سارے قرآن کو از سر نو موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوا سکتے، پھر 'طلوع اسلام' کا یہ دعویٰ کہ ''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت اُمت کے لاکھوں افراد کے پاس قرآن اپنی اسی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے لکھا ہوا موجود تھا، از خود ہی غلط اور باطل قرار پاتا ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل یہ دی گئی تھی کہ ''آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لاکھوں افراد کے مجمع سے یہ اقرار لیا تھا کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اس ثبوت کی کمزوری اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ دعویٰ اور دلیل میں کوئی باہمی ربط نہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ اُمت کے لاکھوں افراد کے پاس قرآن کے موجودہ ترتیب

☆ معروف تفسیر تیسیر القرآن کے مؤلف ......مصنفِ کتب کثیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے لحاظ سے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے اور دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں لاکھوں افراد سے یہ پوچھا کہ ''کیا میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟'' تو انہوں نے جواب دیا، 'ہاں!' اسے ہی کہتے ہیں 'سوال گندم جواب چنا'۔

اپنے دعویٰ کی تردید

آگے چل کر 'طلوع اسلام' اپنے اس دعویٰ کی خود ہی تردید فرما دیتا ہے۔ چنانچہ 'قرآن کے لاکھوں نسخے' کے ذیلی عنوان کے تحت درج ہے کہ:

''امام ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خلیفۂ اول کے زمانہ میں کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت قرآن کریم کے نسخے نہ ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کتاب عظیم کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔'' [طلوع اسلام: فروری ۱۹۸۲ء، ص ۱۲]

اَب دیکھیے اس شمارہ میں تو یہ (قرآن) بعینہٖ اسی شکل میں اور ترتیب میں، جس میں یہ اس وقت ہمارے پاس ہے، لاکھوں مسلمانوں کے پاس موجود اور ہزاروں سینوں میں محفوظ تھا'' اور ص ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔''

جامع قرآن کون؟

سوال یہ ہے کہ اس وقت جو قرآن کریم ہمارے پاس موجود ہے، اس کو جمع کس نے کیا تھا؟ آیا خود رسول اللہ ﷺ نے جمع فرمایا تھا یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے؟ ''طلوع اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اس کو جمع بھی خود رسول اللہ ﷺ نے ہی کیا تھا اور جامع قرآن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشہور ہیں، تو یہ باتیں غلط ہیں۔ چنانچہ اپنے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''ضمناً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو جامع القرآن کہا جاتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ آپ جامع القرآن نہیں تھے بلکہ دیگر خلفاء کی طرح ناشر قرآن ہی تھے۔ انہوں نے البتہ اس کا اہتمام ضرور کیا کہ کہیں کوئی نسخہ ایسا نہ رہے جو ان مستند اور مصدقہ نسخوں (وہ سات یا آٹھ نسخے جو آپ رضی اللہ عنہ نے مرتب کرا کر مختلف دیار و امصار میں بھیجے تھے) کے مطابق نہ ہو اور ایسا کرنا نہایت ضروری تھا۔ لوگوں نے جو نسخے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو اور خطا کا امکان ہو سکتا تھا۔ اس زمانے میں چھاپے خانے تو تھے نہیں کہ حکومت اپنی زیرنگرانی قرآن کریم کے لاکھوں نسخے چھپوا کر تقسیم کر دیتی اور اس طرح غیر مصدقہ نسخے باقی نہ رہتے۔ اس کے لیے یہی انتظام کیا جا سکتا تھا کہ مصدقہ نسخے مختلف مراکز میں بھیج کر ہدایت کر دی جاتی کہ ان کے مطابق اپنے لیے نسخے مرتب کر لیں اور اگر کسی کے پاس یا کوئی ایسا نسخہ ہو جو ان کے مطابق نہ ہو، سے تلف کر دیا جائے تاکہ ایسے نسخے کی اشاعت نہ ہونے پائے جس میں کوئی غلطی ہو۔'' [ایضا: ص ۱۲]

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں:

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے خلفاء کی طرح ناشرِ قرآن ہی تھے اور بحیثیت ناشر قرآن ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے سات یا آٹھ نقول تیار کروا کر مختلف مراکز میں بھیجی تھیں۔ یہ تو ان کا بحیثیت ناشر کارنامہ تھا۔ پھر یہ بھی تو بتلانا چاہیے تھا کہ دوسرے خلفاء نے بحیثیت ناشرِ قرآن کیا کارنامے سرانجام دیئے تھے؟

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کام کرنا اس لیے ''نہایت ضروری تھا کہ لوگوں نے جو نسخے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے ان میں سہو و خطا کا امکان ہو سکتا تھا۔'' اور یہی وہ سہو و خطا کا امکان تھا جسے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں یا اسی طرح کے دوسرے مصاحف میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مصاحف میں بیان شدہ اختلافات کا کثیر حصہ ایسے ہی سہو وخطا کے امکانات پر مشتمل ہے۔ پھر آپ ان روایات کو وضعی کیوں قرار دیتے ہیں؟

③ حکومت نے جو نسخے تیار کروائے تھے، تو ان میں بھی سہو وخطا کا امکان تھا، کیونکہ یہ انسانوں ہی نے لکھے تھے۔ کتاب المصاحف والوں نے ایسی ہی اغلاط کو اختلاف کہہ کر اگر پیش کیا تو آخر کون سا جرم کیا؟ جسے طلوع اسلام اچھال اچھال کر مہیب اِختلافات کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نسخے اس لیے مختلف مراکز میں بھیجے تھے کہ ''لوگ ان کے مطابق اپنے اپنے نسخے مرتب کر لیں۔'' جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے پاس جو نسخے پہلے سے موجود تھے، وہ اس ترتیب کے موافق نہیں تھے جو ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دی تھی یا جوامت کے نزدیک مستند نسخہ قرار پائی۔ اگر یہ ترتیب پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دے چکے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ لوگ اب اس 'امام' کے مطابق اپنے نسخے مرتب کر لیں۔

طلوع اسلام کے نزدیک بھی مناسب بات یہی ہے کہ ''ایسے سابقہ تمام نسخوں کو تلف کر دیا جائے جو اس امام کے مطابق نہ تھے'' اب یہی مناسب بات جب بھی روایت میں مذکور ہوتی ہے تو طلوع اسلام کے ہاتھ گویا ایک نیا شغل آجاتا ہے اور رمزے لے لے کر اسے اچھالنے کی کوشش کرتا ہے کہ مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے صحیفے جلانے سے انکار کر دیا تھا یا مثلاً مروان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے نسخے کو جلا دیا'' وغیرہ۔

قرآن کی موجودہ شکل تک کے مختلف مراحل

اب بیش تر اس کے کہ ہم قرآن کی جمع وتدوین پر 'طلوع اسلام' کے اعتراضات اور ان کا جائزہ پیش کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے تمام مراحل کا ذکر کر دیا جائے جن سے گزر کر قرآن مجید موجودہ شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے۔

① دورِ نبوی ا نبوت تا ۱۱ھ

① طوالت کے لحاظ سے قرآن کریم کی سورتوں کی تین قسمیں ہیں:

① سبع طوال: یعنی سورۃ بقرۃ سے لے کر اعراف تک چھ، اور ساتویں سورۃ کہف

② مئین: وہ سورتیں جن میں آیات کی تعداد سو سے زائد ہے۔

③ مثانی: وہ سورتیں جن میں آیتوں کی تعداد سو سے کم ہے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تو بالعموم یکبارگی نازل ہوتی رہیں جو تیسویں پارہ کے آخر میں ہیں۔ لیکن بڑی سورتیں وقفوں کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔

④ ہر ایک سورت خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اسے بھی مفصل ہی کہا گیا کیونکہ وہ بھی اپنے مضمون میں ہر پہلو سے مکمل ہے۔ گویا قرآن کی ہر ایک سورت اپنے مقام پر ایک مستقل مضمون پمفلٹ یا کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے سورت اخلاص اور سورۃ فاتحہ بھی ایسے ہی ایک الگ کتاب ہے جیسے سورۃ البقرۃ ایک الگ اور مستقل کتاب ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ [البینۃ:۳،۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اللہ کی طرف سے رسول ﷺ پاک صحیفے تلاوت کرتا ہے جو مستحکم کتابوں پر مشتمل ہیں۔''

اس آیت میں کتاب کے بجائے کتب کا لفظ انہی قرآن کی سورتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور ان سب سورتوں یا کتابوں کے مجموعہ کا نام قرآن ہے اور وہ بھی ایک کتاب ہے۔

③ کسی سورت کا کوئی حصہ جب نازل ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ یہ نازل شدہ آیات فلاں سورت کے فلاں مقام پر پڑھی جائیں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾[القيامة:١٧]

''اس وحی کو جمع کرنا اور پڑھنا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔''

لمبی سورتوں کی تنزیل کی یہ صورت تھی کہ اگر اس کا کچھ حصہ ایک سال نازل ہوا تو اس کا کچھ حصہ کئی برس بعد نازل ہوا اور درمیان میں دوسری سورتوں کے بھی کچھ حصے نازل ہوتے رہے۔ لہٰذا ہم قرآن کو بحیثیت مجموعی سورتوں کے لحاظ سے تو یہ ترتیب نزول نمبر دے سکتے ہیں۔ مگر آیتوں کے لحاظ سے پورے قرآن کی ترتیب نزولی قائم کرنا منشائے الٰہی کے خلاف بھی ہے اور ناممکن بھی، کیونکہ ایسی صورت میں ان کئی ایک سورتوں کے، جو کسی ایک معین عرصہ کے درمیان نازل ہو رہی تھیں، مضامین گڈمڈ ہو جاتے۔

④ اَحادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رسول اللہ ﷺ سے قرآن کا معارضہ (یا جسے موجودہ زمانہ کے حفاظ کی اصطلاح میں 'دور' کہا جاتا ہے) کیا کرتے تھے۔ اور یہ معارضہ ماہ رمضان کے پورے مہینے میں ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

لأن جبريل كان يلقاه فى كل ليلة فى شهر رمضان حتى ينسخ يعرض عليه رسول الله ﷺ القرآن"[صحيح البخاري كتاب التفسير، باب كان جبرايل يعرض القرآن......]

''رمضان کے مہینے کی ہر رات کو جبرائیل علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور قرآن کا معارضہ کرتے یہاں تک کہ یہ مہینہ گزر جاتا۔''

اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، یہ معارضہ دو بار ہوا۔ ایک دفعہ تو ماہ رمضان (١٠ھ) میں اور دوسری بار تنزیل وحی کے خاتمہ (سورۃ النصر کی تنزیل) پر اور یہ دوسرا معارضہ گویا آپ ﷺ کے لیے اجل کا پیغام تھا۔[صحيح البخاري، حواله، ايضا] اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معارضہ ہر سال اتنا ہی ہوتا تھا جتنا کہ قرآن نازل ہو چکا ہوتا۔ البتہ آخری سال میں دوسری بار جو معارضہ ہوا تو وہ پورے قرآن حکیم کا ہوا تھا۔

⑤ نماز کے دوران یا تلاوت کے وقت یہ کوئی پابندی نہ تھی کہ فلاں سورۃ پہلے پڑھی جائے اور فلاں بعد میں۔ البتہ یہ پابندی ضرور تھی کہ آیات کا ربط و نظم، جو بذریعہ وحی مقرر کیا گیا تھا، اس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہیں کی جا سکتی۔

⑥ عہد نبوی ﷺ میں ہر شخص بلا لحاظ تقدم و تاخیر قرآن کریم کی مختلف سورتوں کو جمع کرنے اور مصحف کی شکل دینے میں بھی آزاد تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جیسے ایک ہی مصنف کی چند کتابیں ہیں جنہیں کوئی شخص ایک جلد میں اکٹھی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں آزاد ہے کہ جونسی کتاب چاہے پہلے رکھ لے اور دوسری بعد میں۔ اس سے نہ تو تصنیف کی ذات پر کوئی حرف آ سکتا ہے نہ مضامین میں ہی کچھ فرق پڑ سکتا ہے۔ مثلاً شیخ سعدی رحمہ اللہ کی دو کتابیں ہیں، گلستان اور بوستان۔ ان دونوں کتابوں کی الگ الگ اور مستقل حیثیت ہے۔ اگر ایک شخص ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں کتابوں کو اکٹھا جلد کراتے وقت گلستان کو پہلے رکھ لے یا بوستان کو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہی صورت دورِ نبوی ﷺ میں قرآن کی سورتوں کو اپنے وقت میں جمع کرنے کی تھی۔

⑦ قرآن کی حفاظت کے طریقے:

قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں دو طریقے اختیار کیے گئے تھے۔

① زبانی یاد کرنا، کرانا یا حفظ ② ضابطہ تحریر میں لانا یا کتابت قرآن۔

ان دونوں میں سے رسول اللہ ﷺ نے حفظ قرآن پر نسبتاً زیادہ زور دیا تھا اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ تھیں۔

1. قرآن کریم مکتوب شکل میں نہیں بلکہ صوتی انداز میں نازل ہوا جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ قرآن پڑھایا۔ اسی انداز میں آپ ﷺ نے صحابہ کو سنایا اور حفظ کروایا۔ اس طریق حفاظت میں نہ کسی مخصوص رسم الخط کی ضرورت تھی نہ حروف کی شکلوں، نقاط، اعراب وغیرہ کی اور نہ ہی آیات کے ربط میں رموز اوقاف وغیرہ کی معلومات کی۔ یہ طریقہ نہایت سادہ اور فطری تھا لہذا اسی پر زیادہ توجہ صرف کی گئی۔
2. اہل عرب کا حافظہ بہت قوی تھا لیکن پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے۔ ان کی تعداد پانچ فیصد سے بھی کم تھی۔
3. تورات، جو لکھی ہوئی شکل میں ہی نازل ہوئی تھی، پڑھے لکھے طبقے سے ہی مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر بعد میں آنے والے پڑھے لکھے لوگوں نے ہی اس میں تحریف کر ڈالی۔ لہذا قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں ان دونوں طریقوں کو لازم وملزوم قرار دیا گیا اور ماحول چونکہ حفظ کے لئے بہت زیادہ سازگار تھا، اس لیے اس طریقہ حفظ کو بالخصوص اپنایا گیا۔ اس حقیقت کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنکبوت:۴۹]

''بلکہ وہ قرآن تو واضح آیات ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں، جنہیں علم دیا گیا ہے۔''

4. لکھے ہوئے کو پڑھتے وقت ایک کم پڑھا لکھا آدمی غلطی کر جاتا ہے لیکن حافظ تلاوت کرتے وقت ایسی غلطی نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ سترہ مصاحف کا پتہ چلتا ہے جبکہ حفاظ کرام کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی۔ غزوۂ بئر معونہ، جو ۴ھ میں پیش آیا۔ اس میں تقریباً ستر (۷۰) حفاظ شہید ہوئے تھے۔ یہ سب حفاظ قرآن کے حفظ میں سورتوں کی موجودہ ترتیب سے آزاد تھے۔

⑧ قرآن کی کتابت کے لئے جن چیزوں کا انتخاب کیا گیا تھا، وہ ایسی تھیں جو آفات وحوادث عالم کا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کر سکتی ہوں۔ کاغذ جو آج ہمیں دستیاب ہے وہ تو اس وقت معروف ہی نہ تھا۔ قرطاس موجود تھا، لیکن پانی اور آگ اس پر اثر انداز ہو کر اسے جلد ختم کر سکتے تھے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل پائیدار چیزوں کو اس کام کے لئے چنا گیا تھا۔

① أدیم یا رق: جو باریک کھال کو دباغت کے بعد لکھنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ میثاق مدینہ اور صلح نامہ حدیبیہ بھی اس ادیم یا چمڑہ پر تحریر ہوا تھا۔

② نحاف: سفید رنگ کی پتلی پتلی اور چوڑی سلیٹ کی طرح کی تختیاں جو پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔

③ کتف: اونٹ کے مونڈھے کے پاس گول طشتری نما ہڈی، جسے خاص طریقہ سے تراشا جاتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

④ عسیب: کھجور، ناریل یا پام کی شاخ کا وہ حصہ جو تنے سے متصل اور خاصا چوڑا ہوتا ہے۔ اس کو شاخ سے جدا کر کے اور خشک کر کے اس پر لکھتے تھے۔

⑤ أقتاب: قتب کی جمع یعنی اونٹ کے کجاوے کی چھوٹی پھٹیاں جن کا گھسنے کے بعد کھردرا پن ختم ہو جاتا اور وہ لکھنے کے کام آتی تھیں۔

② دورِ صدیقی میں ۱۱ھ تا ۱۳ھ میں قرآن کی جمع وترتیب

جنگ یمامہ میں ۷۰۰ حفاظ شہید ہو گئے جس سے اس شعبۂ حفاظت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ اب حفاظتِ قرآن کے دوسرے شعبہ یعنی کتابتِ قرآن کی طرف خاص توجہ مبذول کی جائے اور قرآن کے ہی متفرق اور منتشر صحیفے جو متفرق افراد اپنے اپنے ذوق کے پیش نظر لکھتے رہے ہیں انہیں حکومت کی نگرانی میں منضبط اور مدون کرایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ یہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں احتیاط کا پہلو۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو ایک جلد میں محفوظ کرنے اور اسے سرکاری تحویل میں رکھنے کی مصلحت سمجھائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل ہو گئے اور اس خدمتِ کتابتِ قرآن اور اس کو ایک جلد میں بنانے کا کام زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا جنہوں نے مدینہ میں بیشتر وحی کی کتابت کا کام سرانجام دیا تھا۔ جب ان سے ذکر کیا گیا کہ ان متفرق اجزاء کو مرتب اور مدون کرنا چاہیے تو یہ کام انہیں پہاڑ اٹھاتے سے بھی بڑا معلوم ہوا۔ لیکن جب ان کی توجہ بھی قرآن کریم کی حفاظت کے اس خاص پہلو پر دلائی گئی تو وہ تیار ہو گئے۔

اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوائی ہوئی یادداشتوں کو بھی سامنے رکھا۔ پھر ہر آیت کی تصحیح دو دو حافظوں سے بھی کراتے چلے جاتے تھے۔ اور قرآن مجید کی کل سورتوں کو قراطیس یا ایک ہی تقطیع کے اوراق پر لکھا۔

تاہم ان میں سورتوں کی ایسی ترتیب نہیں دی گئی تھی جو آج کل قرآن میں پائی جاتی ہے یہ مصحف جو بین الدفتین میں لایا گیا، حکومت کی نگرانی میں رہتا تھا پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ مصحف الامام حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے پاس چلا گیا۔

[صحيح البخاري كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن]

گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کے محرکات دو تھے۔

① قرآن کریم کی مکتوب تحریروں کا متفرق افراد کے پاس ہونا اور منتشر اور بکھری ہوئی صورت میں ہونا۔

② حفاظ کا جن کے سینوں میں قرآن محفوظ تھا، کثرت سے شہید ہو جانا۔ لہٰذا اس جمع قرآن کا مقصد محض اس کی کسی آیت یا حصہ کو ضائع ہونے سے بچانا تھا۔

دورِ عثمانی ۲۵ھ تا ۳۵ھ میں قرآن کی نشر واشاعت

قرآن کی شیرازہ بندی تو دورِ صدیقی میں ہو گئی تھی، لیکن قراءت کے اختلاف کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ قاری اور حفاظ، حکومت کی طرف سے مختلف مراکز میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ پھر جو لوگ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراء سے قرآن سیکھتے وہ اپنے استاد کی قراءت پر اس قدر متشدد ہو جاتے کہ دوسروں کی قراءت کو غلط قرار دینے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے الجھنے اور ان کی تکفیر بھی کرنے لگ جاتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ دورِ عثمانی میں پیش آیا جو بخاری میں یوں مذکور ہے:

''حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ شام اور عراق کے مسلمانوں کے ساتھ آرمینیا اور آذربائیجان فتح کرنے کو لڑ رہے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس سے گھبرا گئے کہ ان لوگوں نے قراءت میں اختلاف کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ اپنا مصحف ہمارے پاس بھیج دیں، ہم اس کی نقلیں اتار کر پھر آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھیج دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انہوں نے اسکی نقلیں اتاریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تینوں قریش کے آدمیوں (عبد اللہ، سعید، عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم) سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں (جو انصاری تھے) قراءت کا اختلاف ہو تو قریش کے محاورے کے مطابق لکھنا۔ اس لیے کہ قرآن انہی کے محاورہ پر اترا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مصاحف تیار ہو چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مصحف ان کو واپس کر دیا۔ پھر ان مصاحف میں سے ایک ایک کو تمام مراکز میں پھرایا اور اس کے سوا جتنے مصاحف الگ الگ چیزوں میں لکھے ہوئے تھے ان کو جلا دینے کا حکم دیا۔''

[صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن]

مندرجہ بالا حدیث اور اس کے ساتھ دوسری روایات کو بھی ملانے سے اس ضمن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل اقدامات کا پتہ چلتا ہے:

① آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بارہ رکنی کمیٹی اس غرض کے لئے تشکیل دی جس میں رئیس التحریر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ وہ بہترین ماہر کتابت تھے۔ کتابت کے جملہ کام کی نگرانی انہی کے سپرد ہوئی۔

② اس کمیٹی کا دفتر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان کا صحن تھا، جہاں اس کام کی نگرانی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ اسی جگہ دورِ صدیقی میں مرتب کردہ قرآن بھی تھا۔

③ اختلاف قراءت (لب ولہجہ، تلفظ یا لحن کا اختلاف) کی صورت میں اصل معیار قریش کی قراءت کو قرار دیا گیا۔ کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا تھا۔ باقی قراءتوں کی محض سہولت کی خاطر اجازت دی گئی تھی۔

④ چونکہ قرآن کا زیادہ حصہ مدینہ میں نازل ہوا۔ اور اس کے بیشتر حصہ کی کتابت حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ پھر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی انصاری تھے، لہٰذا کئی مقامات پر اختلافاتِ قراءت کا مسئلہ چھڑ جاتا۔ تو قراءت کے مدعی پر یہ لازم قرار دیا گیا کہ ایک تو وہ اپنی دلیل میں مکتوبہ کتابت پیش کریں۔ دوسرے کم از کم دو شہادتیں لائیں یا قسم اٹھا کر کہیں کہ ہم نے فی الواقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت اسی طرح سنی پڑھی تھی اور

☆ مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ کے رسم عثمانی کے بارے میں یہ موقف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے اجتہادی رسم الخط مان رہے ہیں جسے صحابہ نے خود تیار کیا تھا۔ حالانکہ اس مسئلہ میں امت کا اجماع ہے کہ رسم عثمانی توقیفی ہے یعنی خود شریعت نے اسے متعین کیا ہے نہ کہ صحابہ کے اجتہادات پر مشتمل ہے۔ اس بارے میں تفصیلاً جاننے کے لیے قراءات نمبر حصہ اوّل میں ادارہ رشد کے رکن محمد مصطفیٰ راسخ اور حصہ دوم میں جناب سمیع اللہ فراز صاحب کے مضامین بنام 'رسم عثمانی کی شرعی حیثیت' کا مطالعہ فرمائیں۔ (ح۔م۔ف)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر ایسی شہادت مہیا نہ ہوتی تو اس آیت کی جگہ چھوڑ دی جاتی تا آنکہ ایسی شہادت مہیا نہ ہو جاتیں۔ پھر اس کو اس کے اصل مقام پر درج کر دیا جاتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قراءت کے اختلاف کے معاملہ میں محض خبر واحد مقبول نہیں ہے۔

۵ ایک اہم مسئلہ سورتوں کی ترتیب کا تھا، اس سلسلہ میں ترتیب نزولی کے بجائے اس بات کا زیادہ لحاظ رکھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کن سورتوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے، علاوہ ازیں یہ بھی طے کیا گیا کہ لمبی سورتوں کو پہلے درج کیا جائے اور بتدریج چھوٹی سورتوں کو بعد میں اور اس ترتیب کو ترتیبِ تلاوت کا نام دیا گیا۔ اور یہی ترتیب آج تک قائم ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ترتیب تلاوت کی کچھ شرعی حیثیت بھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں، جیسا کہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کام (یعنی قرآن کریم کی جمع وترتیب کا کام) رسول اللہ ﷺ نے خود نہیں کیا تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہو سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم اس لحاظ سے آزاد ہیں کہ کوئی سورت پہلے پڑھ لیں کوئی بعد میں، لیکن سورتوں کی آیات کے معاملہ میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو لوگ تیسواں پارہ، برائے حفظ سورۂ نبا کے بجائے سورۂ ناس سے شروع کرتے ہیں۔ یا جو پبلشر ایسا پارہ چھاپتے ہیں جن میں تمام سورتوں کی ترتیب الٹی ہوتی ہے انہیں مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۶ اس کمیٹی کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ رسم الخط میں اختلاف کے معاملہ میں سو سے زیادہ مقامات پر اس نے اتفاق رائے کر لیا، مثلاً

1. لفظ 'الّیل' قرآن میں ہر جگہ ایک لام سے لکھا گیا ہے جبکہ عام کتب میں دو لام سے یوں 'اللیل' لکھا جاتا ہے۔
2. لفظ 'ابراهيم' سورة بقرة میں تو 'ابرٰهم' (ھ کے نیچے کھڑی زیر) سے لکھا گیا، لیکن بعد میں ہر مقام پر 'ابراهيم' (ی کے ساتھ) لکھا گیا۔
3. رحمة اور لعنة جیسے الفاظ فلاں مقام پر تو لمبی ت سے (رحمت) لکھے جائیں اور فلاں مقام پر گول ۃ سے (جیسے رحمة)
4. اسی طرح قرآن میں جمع مذکر کے 'الف' کا مسئلہ ہے (طے یہ ہوا کہ جاءُ واور باء و کے بعد اسے نہ لکھا جائے۔
5. أفائن، شایءٍ کے زائد 'الف' جن پر گول نشان دیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔☆

چونکہ مصاحف لکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریر میں رسم الخط کے ایسے اختلافات موجود تھے۔ لہٰذا اس رسم الخط پر اتفاق کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ یہ الفاظ آج تک بغیر کسی تبدیلی کے ویسے ہی لکھے جا رہے ہیں جیسے مصحف عثمانی میں تھے۔

ایسے تمام مقامات کا تفصیلی ذکر کتاب المصاحف لابن ابی داؤد رحمہ اللہ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن نہیں تھے بلکہ ''جامع الناس علی القرآن علی قراءۃ واحدۃ'' تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی یہ خدمت ایسی گراں قدر ہے جس کا اُمت احسان نہیں اتار سکتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ حجاج بن یوسف ۶۵ تا ۹۵ھ، اعراب اور نقاط

تنزیل قرآن کے وقت عربی زبان ایسے کوفی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی جو زیر، زبر وغیرہ حرکات کے بغیر لکھا جاتا۔ علاوہ ازیں یہ قلیل النقط بھی تھا۔ مثلاً ج، ح، خ، تینوں حروف ایک ہی طرح لکھے جاتے۔ اس طرح کی تحریر سے اہل عرب تو مستفید ہو سکتے تھے، لیکن غیر عرب پڑھنے میں اکثر غلطیاں کر جاتے تھے۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ کام حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص سے لیا اور یہ کام ۷۶ھ میں سرانجام دیا گیا۔

ادارہ طلوع اسلام خود بھی اس بات کا معترف ہے۔ قرآنی فیصلے ص ۲۱۹ پر لکھا ہے:

''باقی رہا اعراب کا سوال، سو عربوں کے لئے اعراب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بلا اعراب قرآن کو اس طرح پڑھتے تھے جس طرح غیر عرب اعراب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہ اعراب غیر عربوں کی سہولت کے لئے لگا دیے گئے۔ قرآن کی یہ خدمت اگر حجاج کے حق میں جاتی ہے تو اس کی خونخواری اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔''

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ نقاط لگانے کا کام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابو الاسود الدؤلی رحمہ اللہ نے عہدِ صحابہ ہی میں سر انجام دے دیا تھا۔ ابو الاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی وفات ۶۹ھ میں ہوئی تھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حروف پر نقاط لگانے کا کام تو ۶۹ھ سے پہلے ہی مکمل ہو گیا تھا۔ البتہ اعراب لگانے کا کام حجاج نے ۷۶ھ میں انجام دیا تھا۔

⑤ اَدوارِ مابعد میں رموز اوقاف وغیرہ

بعد کے ادوار میں دو طرح کے اضافے ہوئے یعنی متن کے اندر اور متن کے باہر۔ متن کے اندر جو اضافے ہوئے، ان میں سرفہرست رموز اوقاف (Punctuation) ہیں۔ یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے وقت کس مقام پر ٹھہرنا ضروری ہے اور کس مقام پر اگلی عبارت کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ اہل عرب کو تو ان اوقاف کی ضرورت نہیں تھی لیکن غیر عرب لوگوں کے لئے یہ بھی انتہائی ضروری ہیں۔ قرآن پر آپ کو جابجا ، ج ، صلے ، ؞ (معانقہ) اور م وغیرہ باریک قلم سے لکھے ہوئے حروف ملتے ہیں۔ یہ انہی رموز کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اور دوسرا اضافہ آیات نمبر لگانے کا طریق ہے جو موجودہ دور میں اپنایا گیا ہے اور متن سے باہر جو اضافے ہوئے ہیں ان میں قرآن کو ۳۰ پاروں میں تقسیم کر کے ہر پارے کے پہلے ایک دو الفاظ کو متن سے باہر پیشانی پر لکھنا ہے۔ اسی طرح سورۃ کا نام بھی اسی طرح پاروں کو پھر چار حصوں میں تقسیم کر کے الربع ، النصف ، الثلثة، وغیرہ لکھنا ہے۔ اسی طرح ہر سورت کے رکوعات بھی نمبر دے کر لکھ دیے جاتے ہیں اور یہ نقاط ، اعراب، اوقاف، رکوع، آیات کے نمبر وغیرہ سب مصحف عثمانی کے بعد کی باتیں ہیں جو قرآن کے موجودہ نسخوں میں مندرج ہیں۔ ان کے فائدہ سے انکار نہیں لیکن ان کی شرعی حیثیت کچھ نہیں۔ تاہم ایسے اضافہ جات کے جواز کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ [حم السجدة:۴۲]

''باطل نہ آگے سے اس کے پاس پھٹک سکتا ہے نہ پیچھے سے۔''

جمع اور ترتیب قرآن پر طلوع اسلام کے اعتراضات

طلوعِ اسلام نے مقام حدیث میں ایک مضمون 'قرآن کریم روایات کے آئینے میں' کے تحت اور طلوع اسلام جنوری ۱۹۸۲ء میں 'پھر قرآن مجید کی باری' کے عنوان کے تحت قرآن کی جمع و ترتیب کے اختلافات بیان کر کے جو جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراضات کیے ہیں انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① لب ولہجہ یا تلفظ کے اختلافات

② اغلاطِ کتابت

③ مختلف قراءتوں میں زائد الفاظ کے اختلافات

ہم اسی ترتیب سے ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

① لب ولہجہ یا تلفظ کے اختلافات

اس ضمن میں آپ نے بخاری کی اس حدیث کا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ نماز میں سورۃ فرقان پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کی تلاوت سنی تو دیکھا کہ کئی حروف اس قراءت سے بدلے ہوئے پڑھ رہے ہیں جو قراءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سکھلائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے چین ہو گئے۔ تاہم ہشام رضی اللہ عنہ کے نماز ختم کرنے تک صبر کیا اور پوچھا تم یہ سورت اس اس طرح کیوں پڑھ رہے تھے؟ ہشام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی پڑھائی ہے۔ اس جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے گلے میں چادر ڈال لی اور انہیں کھینچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہشام سورۃ فرقان ایسے نہیں پڑھتا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر ہشام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے یہ سورۃ پڑھ کر سناؤ، حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت یوں ہی نازل ہوئی تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اب تم سناؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ یونہی نازل ہوئی تھی۔ پھر فرمایا: «إنّ هٰذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرء وا ما تيسر منه»

[صحيح بخارى، كتاب التفسير، أنزل القرآن على سبعة أحرف]

''بیشک یہ قرآن سات محاوروں پر اترا ہے، جو محاورہ تم کو آسان معلوم ہو اسی طرح پڑھ لو۔''

طلوع اسلام نے اس حدیث کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ یوں فرمایا:

''آپ کو حیرت ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی قریشی اور مکی اور ہشام بھی قریشی اور مکی ہیں۔ دونوں کی زبان ایک ہے۔ لب ولہجہ ایک ہے ایک ہی خاندان اور ایک ہی مقام کے دونوں آدمی سورۃ فرقان کو اس قدر اختلاف کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور نماز کے بعد انہیں کی چادر کس کر گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہشام سے سن کر بھی فرماتے ہیں کہ ہاں یوں ہی نازل ہوئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں یونہی نازل ہوئی ہے۔'' [طلوع اسلام جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۵۲]

اس روایت کے ذکر اور تبصرہ سے آپ نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ یہ اختلاف لب ولہجہ یا تلفظ کا نہ تھا بلکہ بہت سے الفاظ کا تھا اور تھا بھی اتنا شدید کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ہی حملہ پر تیار ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جیسی جوشیلی طبیعت تھی وہ سب کو معلوم ہے۔ بارہا آپ رضی اللہ عنہ نے جب کوئی کام اپنی مرضی کے خلاف اور معصیت کا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کا اذن مانگنے لگتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیتے۔ اب طلوع اسلام کے اس تبصرہ کا جواب ہم خود نہیں دیں گے۔ بلکہ اس کے جواب میں طلوع اسلام کا ہی ایک دوسرے مقام سے اقتباس پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کا جواب طلوع اسلام کی طرف سے

قراءت کے اختلاف کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ عربوں کے مختلف قبیلے بعض حروف کو مختلف طریق سے ادا کیا کرتے تھے مثلاً بعض قبیلے 'ک' کو 'گ' بولتے تھے۔ اسی طرح جس طرح آج کل لاہور کے اصلی باشندے 'ڑ' کو 'ر' کہتے ہیں (یعنی چڑی کو چری) اور ہوشیار کو پور کے رہنے والے واہیات کو باہیات کہتے ہیں۔ حتی کہ حیدر آبادی قرآن کو خران بولتے ہیں۔ اس اختلاف کے متعلق ابن خلدون رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''قراءت کے اختلافات قرآن کے تواتر میں مطلق خلل انداز نہیں ہو سکے۔ کیونکہ ان کا مرجع کیفیت ادائے حروف تھا۔ [قرآنی فیصلے: ۲۱۹]

اب رہا یہ سوال کہ ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی مقام کے لوگوں میں یہ لب ولہجہ یا الفاظ کا اختلاف کیسے ممکن ہے؟ ہمارے خیال میں یہ بھی ممکن ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایک ہی قبیلہ کے ایک مقام پر رہنے والے بعض گھرانوں میں بچے اپنے باپ کو ابا کہتے ہیں تو بعض دوسرے گھرانوں میں ابو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض بچے اپنے باپ کے بھائی کو 'چاچا' اور بعض دوسرے 'چاچو' تو پھر اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ میں ایسے اختلافات واقع ہو گیا تو اس میں کونسی عجیب بات نظر آتی ہے؟

نزول قرآن کے وقت یہ سہولت مدنظر رکھی گئی تھی کہ لوگ اپنی زبان موڑنے پر توجہ دینے کی بجائے زیادہ توجہ اس کے حفظ پر دیں اور یہ رعایت بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر دی گئی تھی۔ بخاری میں ہے:

"أن ابن عباس حدثه أن رسول الله ﷺ قال: اقرأني جبريل على حرف فراجعته، فلم أزل استزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف"

[صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو ایک ہی محاورے پر قرآن پڑھایا۔ میں نے ان سے تقاضا کیا اور برابر زیادہ قراءتوں پر پڑھنے کے لئے تقاضا کرتا رہا۔ تا آنکہ سات قراءتوں کی اجازت ملی۔''

سبعۃ احرف سے متعلق چند ضروری وضاحتیں

مندرجہ ذیل اقتباسات، کتاب البیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن للمعتصم بالله ظاهر بن صالح بن أحمد الجزائرى مطبعة المنار بمصر ۱۳۳۴ھ سے ماخوذ ہیں۔

سبعہ اُحرف بمعنی سات لغت یا سات محاورے

اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور قابل ملاحظہ ہیں:

① سبعة أحرف کی تعبیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ سب سے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مختلف لغات ہیں جو عرب قبائل میں رائج تھیں۔ قرآن بنیادی طور پر قریش کی زبان اور محاورہ کے مطابق نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہوتا ہے تاہم تنزیل قرآن کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استدعا پر نزول قرآن میں دوسرے قبائل کے لغت بھی شامل کیے تھے۔ محاورہ قریش کے بعد دوسرا نمبر بنو سعد کا ہے۔ آپ کی اسی قبیلہ میں بچپن میں تربیت ہوئی تھی۔ پھر اس میں کنانه، هذيل، ثقيف،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خزاعہ، اور اسد کے لغت شامل ہوئے ہیں۔[تبیان:۶۴]

② بعض علماء سبعة کے عدد سے محض سات نہیں بلکہ کثرت کا عدد مراد لیتے ہیں۔ اور مندرجہ بالا قبائل میں قیس، ضبہ، اورتیم الرباب کوبھی شامل کرتے ہیں۔[حوالہ ایضا]

اور معنی کے لحاظ سے بھی سبعہ کا لفظ صرف سات سے ہی مختص نہیں بلکہ اس کا اطلاق محض محاورتاً ہوا ہے۔ یعنی یہ لفظ محض ایک سے زیادہ لغتوں کے لیے آیا ہے۔ خواہ وہ دو ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ پورے قرآن میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو سات مختلف لغتوں میں پڑھا گیا ہو۔[ص۴۴]

③ مختلف قراءات کی اجازت کے دو فائدے تھے:

❶ مختلف قبائل کے لیے قرآن پڑھنے میں آسانی

❷ مختلف قبائل کے لیے قرآنی الفاظ کے ترجمہ وتفسیر کی عدم ضرورت

④ اوامر ونواہی اور حلال وحرام میں اس اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ امام مسلم ؒ نے جہاں یہ سبعة أحرف والی روایت درج کی وہاں بخاری کی روایت سے درج ذیل زائد الفاظ کا اضافہ بھی کیا۔

زاد مسلم :قال ابن شهاب بلغنی أن تلك السبعة إنما هی فی الأمر الذی یکون واحداً لایختلف فی حلال وحرام [ایضا:۳۵]

’’مسلم ؒ نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ ابن شہاب زہری ؒ نے کہا کہ سبعة أحرف کی اجازت صرف ایسے امر میں تھی کہ اس سے حلال وحرام میں اختلاف واقع نہ ہو۔‘‘

مزید وضاحت یہ ہے کہ اس اختلاف قراءات میں حلال وحرام کے علاوہ اوامر ونواہی کے معاملہ میں بھی کوئی گنجائش نہیں۔[تبیان:ص۴۲]

اور اس اختلاف قراءات کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی جاتی ہے:

”فی حرف واحد کلمة واحد باختلاف الفاظ واتفاق المعانی“[ص۴۴]

یعنی کسی حرف میں یا کلمہ میں اختلاف کی صرف اس حد تک گنجائش کہ اس سے معانی میں چنداں فرق نہ پڑے۔‘‘

② اختلاف الفاظ کی مندرجہ ذیل دوصورتیں تھیں:

❶ تلفظ کا اختلاف۔ جیسے قبیلہ قیس کے لوگ مؤنث کے کاف کوش سے ادا کرتے تھے۔ اسے (کشکشہ کہتے تھے) مثلاً وہ لوگ قد جعل ربك تحتك ثریا کو قد جعل ربش تحتش سریا پڑھتے تھے۔

❷ قبیلہ تمیم کے لوگ إن کو عن پڑھتے تھے (اسے عنعنہ کہتے تھے) وہ لوگ عسی الله أن یأتی بالفتح وعسی الله عن یأتی بالفتح پڑھتے تھے۔

③ بعض قبائل س کی بجائے ت پڑھتے تھے یعنی الناس کو النات کہتے تھے اسی طرح صراط کو سراط اور طلح کو

☆ یہ موقف جو مولانا نے اختیار کیا ہے اپنے نتائج وعواقب کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے جس پر تفصیلی مضمون ہم ان شاء اللہ قراءات نمبر حصہ سوم میں نذرِ قارئین کریں گے۔ اجمالاً دیکھنے کے لیے محترم حافظ حمزہ مدنی کے انٹرویو 'تعارف علم قراءات' کی طرف رجوع کریں۔ (ح۔ف۔م)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلع بھی پڑھا جاتا تھا۔ [ایضا: ۵۰]

ب مرادفات کا استعمال: یعنی ایسے الفاظ جو کسی خاص معنی کیلئے مختلف قبائل میں مختلف تھے۔ جیسے اقبل ھلم اور تعال۔ عجل اور اسرع ، انظر ، اخر ، اور امھل سبعہ احرف کی رعائت کے لحاظ سے قرآن کی تلاوت میں ایسے مترادفات کے استعمال کی ان قبائل کو حسب ضرورت اجازت تھی۔ [ایضا:۴۶]

۲ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حرف واحد

ہم بخاری کی روایت کے حوالہ سے بتلا چکے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والے جمع کردہ مصحف کو سامنے رکھ کر قرآن کی سورتوں کے لحاظ سے از سرنو ترتیب دی۔ اور قرآن کو صرف قریش کے لغت پر لکھوایا۔ پھر مختلف دیار وامصار میں اس کی مختلف نقول بھجوائیں۔ اور ساتھ ہی یہ حکم نامہ جاری کیا کہ پہلے مصاحف (جو سبعۃ احرف کے آئینہ دار تھے) کو جلا دیا اور تلف کر دیا جائے۔ اس طرح آپ نے امت کو ایک عظیم فتنہ سے بچالیا۔ یہ کام آپ نے صحابہ کے اجماع سے کیا۔ اور آپ کے اس کارنامہ کو تمام امت نے سراہا۔

اس مقام پر صاحب تبیان چند بنیادی سوال اٹھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

''آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وہ کونسا اختیار تھا۔ جس کی بنا پر انہوں نے باقی چھ محاوروں جو کہ ساتویں اور باقی رہنے والے کی طرح منزل من اللہ ہی تھے، کو موقوف یا ختم کر دیا؟ اور اس سے معاملہ میں امت آپ سے متفق کیسے ہوگئی؟ کیا اسی کا نام حفاظت وحی الٰہی ہے جس کے لیے یہ امت مامور تھی؟ نیز یہ کہ باقی چھ محاورہ سے منسوخ ہوگئے یا اٹھا لیے گئے۔''

پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لغت قریش کے علاوہ باقی چھ حروف محض اجازت ورخصت تھی۔ ان ساتوں قراءات میں کسی ایک کو پسند کر لینا امت کے لئے ایک اختیاری امر تھا۔ اور اس خاص قراءات کو اختیار کر لینے سے باقی کا ضیاع یا ابطال یا تغلیط قطعاً لازم نہیں آتی۔ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنا بھی ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی انہیں پوشاک مہیا کرنا بھی اور تین روزے رکھنا بھی ہے (اب اگر کوئی شخص ان سب میں سے کوئی ایک کفارہ ادا کر دیتا ہے تو اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور دوسرے متبادل اختیاری احکام میں سے کسی کی بھی تغلیط، ابطال یا ضیاع بھی نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اپنے لیے ایک حرف (لغت قریش جو اس کی زیادہ مستحق تھی) کو پسند کر کے اسے اختیار کر لیا تو اس سے دوسرے حروف کا ضیاع یا ابطال یا تغلیط قطعاً لازم نہیں آتا۔

رہا یہ سوال کہ آیا باقی چھ حروف جو چھوڑ دیئے گئے وہ اٹھا لیے گئے یا منسوخ ہوگئے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حروف نہ اٹھائے گئے ہیں نہ منسوخ ہوئے ہیں اب بھی اگر کوئی قاری ان حروف میں سے کسی حرف پر پڑھنا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔☆ [ص ۴۶] تاہم مناسب یہی ہے کہ مسلمان اسی قراءات کا تتبع کریں جو مصاحف عثمانی میں متفق علیہ طور پر پائی جاتی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"فلا قراء ۃ الیوم للمسلمین الا بالحرف الواحد الذی اختارہ لھم امامھم الشفیق الناصح دون ما عداہ من الاحرف الستۃ الباقیۃ" [ص۴۶]

''آج مسلمانوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس حرف واحد کے سوا جسے ان کے مشفق اور ہمدرد امام نے ان کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پسند کیا۔ باقی چھ حروف میں کسی کے مطابق قرآن پڑھیں۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ باقی چھ قراءتوں کو نماز کے علاوہ تو پڑھا جا سکتا ہے، لیکن نماز میں پڑھنا درست نہیں۔ [ص۴۰] اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں جو شخص نماز میں قرآن مصحف عثمان کے مطابق نہیں پڑھتا اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ [ص۴۰]

③ موجودہ قراءات مختلفہ

آج کل جو مختلف قاریوں میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کا اصل ماخذ صرف وہ حرف واحد ہے۔ جو دور عثمانی میں اختیار کیا گیا تھا۔ اور ان میں موجودہ قراءتوں کے اختلاف کا تعلق محض تلفظ یا حروف کی ادائیگی سے ہے۔ جیسے مد، لین، تخفیف، تسہیل، اظہار، ادغام، امالہ وغیرہ، ایسے اختلافات کے متعلق امت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی بنا پر کسی دوسرے سے جھگڑا نہیں کیا جا سکتا۔ [ص۴۷]

یہ قراءاتیں بنیادی طور پر سات ہیں جو سبع قراء سے منسوب ہیں۔ یہ قراء حرمین، عراق، اور شام سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ نافع، عبداللہ بن کثیر، ابوعمرو بن العلاء البصری، عبداللہ بن عامر، عاصم، حمزہ، کسائی رحمہم اللہ ان تمام قاریوں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قراءت بہت سے صحابہ اور تابعین سے سیکھی۔ پھر جن حضرات نے ان سے روایت کی ان کی تفصیل یہ ہے۔

① نافع بن عبدالرحمان المدنی رحمہ اللہ ان کے مشہور راوی بلا واسطہ (۱) قالون (عیسی بن منار اور (۲) ورش (عثمان بن سعید المصری) رحمہم اللہ ہیں۔

② عبداللہ بن کثیر المکی رحمہ اللہ ان کے راوی بوسائط (۱) بزی، (احمد بن محمد المکی) اور (۲) قنبل (محمد بن عبد الرحمٰن المخزومی المکی) رحمہم اللہ ہیں۔

③ ابوعمرو العلاء البصری المازنی رحمہ اللہ ان کے راوی جو یحییٰ بن مبارک الیزیدی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں دو ہیں: (۱) الدوری (ابوعمرو حفص بن عمر اور (۲) السوسی (ابوشعیب صالح بن زیاد) رحمہم اللہ

④ عبداللہ بن عامر الیحصبی رحمہ اللہ یمنی ثم الدمشقی ان سے بوسائط دو راوی ہیں۔ (۱) ہشام بن عمار (۲) ابن ذکوان (عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان) رحمہم اللہ

⑤ عاصم بن النجود الکوفی رحمہ اللہ ان سے بلا واسطہ دو راوی ہیں: (۱) حفص بن سلیمان الاسدی الکوفی (۲) ابوبکر شعبہ بن عیاش الکوفی رحمہم اللہ۔

⑥ حمزہ بن حبیب الزیات الکوفی رحمہ اللہ ان سے سلیم کے واسطہ سے دو راوی ہیں: (۱) خلف بن ہشام البزار (۲) خلاد بن خالد الکوفی رحمہم اللہ

⑦ علی بن حمزہ الکوفی رحمہ اللہ المعروف الکسائی ان سے بغیر واسطہ دو راوی ہیں: (۱) ابوالحارث اللیث بن خالد (۲) ابو عمرو حفص بن عمر الدوری رحمہم اللہ۔ [تبیان: ۸۱،۸۳]

ہمارے ہاں روایت حفص رائج ہے، جو پانچویں قاری سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سبعہ احرف کی ایک ضمنی بحث تھی جو خاصی طویل ہوگئی۔ اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے اور طلوع اسلام کے دوسرے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا اعتراض: سہو ونسیان سے متعلق الفاظ وحروف کی کمی بیشی یا اغلاط کتابت

اس ضمن میں ایسی تمام قسم کی اغلاط کو جو کاتب صاحبان کر جاتے ہیں۔ اور بعد میں مصحح پڑھ کر درست کرتے ہیں، اختلافات کا نام دے کر اچھالا گیا ہے۔ مثلاً مقام حدیث ص ۲۹۲ پر یوں عنوان جمایا ہے:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف لکھوائے۔ ان میں سے مدینہ کے تمام مصاحف خود 'امام' یعنی ان کے اپنے مصحف سے مختلف تھے۔''

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

خالد بن ایاض بن صخر بن ابی الجہم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مصحف کو پڑھا ہے، اور مصحف کو اہل مدینہ کے مصاحف میں بارہ حرفوں میں مختلف پایا ہے۔''

ان حروف کا نقشہ درج ذیل ہے:

مصحف امام	مصحف مدینہ	اس تیسرے کالم میں اغلاط کی نشاندہی ہماری طرف سے ہے۔
ووصّٰی بها ابرٰهيم	ووصّى بها ابراهيم	گویا خانہ نمبر ۱ میں ابراہیم کی ر کی کھڑی زبر ہے اور خانہ ۲ میں الف ہے۔
وسارعوا الى مغفرة	سارعوا الى مغفرة	خانہ ۲ میں واؤ رہ گئی۔
ويقول الذين آمنوا	يقول الذين آمنوا	خانہ ۲ میں واؤ رہ گئی۔
يا ايها الذين آمنوا	يا ايها الذين آمنوا	یہ زبان کا فرق ہے چونکہ صرف کے لحاظ سے دونوں درست
من يرتد منكم	من يرتدِد منكم	ہیں اس لیے کاتب نے غلطی سے یرتد دلکھ دیا۔
لاجدن خيرا منها منقلبا	لاجدن خيرا منهما منقلبا	خانہ ۲ میں منہما لکھنا کتابت کی غلطی ہے۔
وتوكل على العزيز الرحيم	توكل على العزيز الرحيم	خانہ ۲ میں و کاتب چھوڑ گیا۔
او أن يُظهِر	وان يُظْهِر	خانہ ۲ میں او کی بجائے ولکھا گیا۔
من مصيبة فبما كسبت	من مصيبة بما كسبت	خانہ ۲ میں کاتب فبما میں سے ف چھوڑ گیا۔
ما تشتهي الانفس	ما تشتهيه الانفس	خانہ ۲ میں تشتہی کے بعد ہ زائد لکھا گیا۔
فان الله هو الغني الحميد	فان الله الغني الحميد	خانہ ۲ میں کاتب ھو کا لفظ چھوڑ گیا۔
ولا يخاف عقبٰها	لا يخاف عقبٰها	خانہ ۲ میں کاتب واؤ چھوڑ گیا۔

ہم یہ فہرست اس لیے دی ہے کہ آج کل بھی قرآن مجید لکھے جاتے ہیں۔ ان کی ایک کے بجائے تین تین مصحح کرام سے صحت کرائی جاتی ہے۔ لیکن چھپنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کتنی غلطیاں باقی رہ گئیں ہیں۔ بعض دفعہ حروف والفاظ کا تو کیا ذکر آیات تک رہ جاتی ہیں۔ یا لفظ کچھ کا کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ تو نئے فرمے چھپوا کر لگانا پڑتے ہیں اور ہمارے خیال میں جس کاتب نے امام سے نقل کی اور صحت کرنے پر صرف بارہ اغلاط نکلیں وہ نہایت محتاط کاتب تھا۔ اگر ہمارے بیان میں شک ہو تو آج بھی اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر آپ نے مصحف امام اور دوسرے صحابہ کے مصاحف کے اختلافات (یعنی اغلاط) کا ذکر فرمایا کہ

① مصحف عمر رضی اللہ عنہ تین مقامات پر۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

② حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ایک مقام پر۔
③ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں چار مقامات پر۔
④ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں ۱۳۸ مقامات پر۔
⑤ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں ۱۶ مقامات پر۔
⑥ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میں ۶ مقامات پر۔
⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں ۲ مقام پر اختلاف پایا گیا ہے۔

اب دیکھیے یہ 'الامام' کے مکمل اور تیار ہوجانے کا ہی ثمرہ تھا۔ کہ اس سے دوسرے مصاحف کا تقابل کر کے ان اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر یہ الامام ہی تیار نہ ہوتا تو کسی بھی مصحف کی اغلاط پر کھنے کا کوئی معیار تھا؟ پھر ان مصحف حضرات نے جو جو اغلاط دیکھیں نہایت دیانتداری سے وہ اختلاف بیان کر دیا۔ اب وہ حضرات تو ان اختلافات سے مراد سہو ونسیان کی وجہ سے سرزد ہونے والی غلطیاں لیتے تھے اور ہمارے یہ کرم فرما اس اختلاف کے لفظ سے انتشار مراد لے کر مسلمانوں کو احادیث سے برگشتہ کرنے کے لئے در پے ہیں۔

مصحف امام کی اغلاط

ہر چند کہ بارہ رکنی کمیٹی نے انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ تاہم اس میں تین یا چار اغلاط پھر بھی رہ گئیں۔ اب غور فرمائیے کہ قرآن کی ۶،۶۶۶ آیات ہیں اور ۸۶۴۳۰ الفاظ ہیں۔ ان میں تین یا چار اغلاط کے باقی رہ جانے کو بشریت کے تقاضوں پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔ 'الامام' سے نقول بھی تیار ہوگئیں۔ پھر جب 'الامام' کی خود دوبارہ سہ بارہ چیکنگ کی گئی تو اس میں سے تین چار اغلاط نکل آئیں۔ جو قریش کے لہجہ سے متعلق تھیں مگر ان سے معانی میں چنداں فرق نہیں پڑتا تھا۔ چنانچہ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کی غلطیوں کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ① إن هذان لساحران ② والمقيمين الصلوٰة والموتون الزكوٰة ③ والذين هادوا والصائبون کے متعلق کیا فرماتی ہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''بھتیجے یہ کاتبوں کا کام ہے انہوں نے لکھنے میں غلطی کر ڈالی۔''

ان اغلاط کی توجیہ میں ایک روایت بھی کتاب المصاحف میں آتی ہے جس کو مقام حدیث میں بھی ص ۲۹۰ پر درج کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

> ''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مصحف لایا گیا تو اس میں انہیں کچھ غلطیاں نظر آئیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر لکھانے والا بنو ہذیل کا اور لکھنے والا بنو ثقیف کا کوئی آدمی ہوتا تو اس میں یہ غلطیاں نہ پائی جاتیں۔''

حجاج بن یوسف کی درست شدہ اغلاط

اس کے بعد مقامِ حدیث ۲۹۴ پر ایک فہرست اسی کتاب المصاحف کے حوالہ سے درج کی گئی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف نے گیارہ مقامات پر تبدیلیاں کیں۔ یہ روایت ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

① ایسی حدیث کتب صحاح میں کہیں نظر نہیں آئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② حجاج بن یوسف نے اگر کچھ درست کرنا ہی تھا تو وہ تین یا چار اغلاط درست کرتا جن کا پہلے ذکر آیا ہے۔
③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو مقام تھا، ان صحابہ میں جنہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھا تھا، وہ حجاج جیسے شخص کو قطعاً حاصل نہ تھا۔ تو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اختیار سے تین یا چار اغلاط درست نہ کر سکے تو حجاج بن یوسف کیسے کر سکتا تھا؟
④ فہرست میں درج شدہ فہرست بھی تحقیق سے بعض مقام پر غلط ثابت ہوتی ہے، مثلاً نمبر ۵ کے تحت درج ہے کہ مصحف عثمانی میں سيقولون لله درج ہے جبکہ حجاج نے اس کو سيقولون الله بنا دیا۔ مگر جب قرآن سے مقابلہ کیا تو یہ بات غلط ثابت ہوئی اور جب ایک بات غلط ثابت ہوگئی تو دوسرے بیان کا کیا اعتبار؟

تیسرا اعتراض

اختلافاتِ قراءت جن میں الفاظ کی زیادتی ہے۔

اب ہم ان تین حدیثوں کا ذکر کریں گے جن میں سے دو میں تو الفاظ کی زیادتی ہے اور ایک میں اعراب کا فرق ہے۔ اور یہ تین حدیثیں یا مثالیں ایسی ہیں جنہیں طلوع اسلام نے اس سارے مجموعہ سے چھانٹ کر لوگوں کو احادیث سے برگشتہ کرنے کے لئے پیش کیا ہے اور وہ مثالیں یہ ہیں:

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت میں فاستمتعم به منهن سے آگے إلى أجل مسمى بھی مذکور ہے جس سے شیعہ حضرات کو متعہ کے جواز کی سند مل جاتی ہے۔
② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہی قراءت میں ''وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی کے آگے ''ولا محدّثٍ'' بھی مذکور ہے جس کو غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔
③ تیسری مثال دراصل ایک استفسار ہے کہ ''وامسحوا بر ء وسكم وارجلكم الى الكعبين، ارجلکم کے ل پر زبر ہے یا زیر؟ اگر زبر پڑھا جائے تو سنیوں کے مسلک یعنی پاؤں دھونے کی تائید حاصل ہوتی ہے اور اگر ل کی زیر پڑھی جائے تو شیعہ کے مسلک کو تائید حاصل ہوتی ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا چاہیے اور قراءت دونوں طرح سے متواتر آئی ہیں پھر ان میں صحیح کون سی ہوئی؟

ان مثالوں کو ہم نے اختصار کے ساتھ ضرور لکھا ہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ طلوع اسلام جو کچھ مطلب سمجھانا چاہتا ہے وہ فوت نہ ہو۔ پھر آخر میں طلوع اسلام نے یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ

''ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد ''اختلاف قراءت'' کے فتنہ کے متعلق کچھ سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ہمارے علمائے کرام قرآن کے متداول متن کو بھی من جانب اللہ مانتے ہیں اور ان اختلافی آیات کو بھی منجانب اللہ کیونکہ ان کی بنیاد وا حادیث پر ہے۔ ہم نے ان اختلافی آیات کی صرف دو تین مثالیں پیش کی ہیں۔ آپ قرآن کریم کے نسخوں میں اکثر مقامات پر یہ لکھا دیکھیں گے کہ ''ایک اور قراءت میں یوں بھی آیا ہے'' یعنی یہ آیت یوں بھی نازل ہوئی تھی اور یوں بھی'' [ایضا:۵٦]

اب دیکھیے اختلاف قراءت کے فتنہ ہونے سے انکار کس کو ہے؟ یہ فتنہ ایسا نہیں جس کا سراغ طلوع اسلام نے ہی لگایا ہے۔ اسی اختلافِ قراءت کے فتنہ سے ہی متاثر ہو کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا سدباب کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلوع اسلام کا یہ تبصرہ کہ ''قرآن کریم کے نسخوں میں اکثر مقامات پر یہ لکھا دیکھیں گے کہ ایک اور قراءت میں یوں بھی آیا ہے'' درست نہیں۔ آپ خود اپنے گھر میں موجود قرآن کریم کے نسخوں میں یا کسی قرآن کے پبلشر کی دوکان پر جا کر مختلف قسم کے نسخوں میں خود ملاحظہ فرما لیجیے کہ کسی قرآن پر آپ کو ایسی عبارت کہیں لکھی نظر آتی ہے ہم جانتے ہیں کہ بعض پرانے قلمی نسخوں میں ایسے اختلافات قراءت کا ذکر ہوتا تھا جبکہ ماحول علمی تھا۔ اور اب جو یار لوگوں کا زمانہ آ گیا تو یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ کتاب المصاحف میں اگر ایسے اختلافات کا ذکر ہے تو یہ کتاب لائبریریوں کے سوا دستیاب بھی کہاں سے ہو سکتی ہے؟ آٹھ آٹھ نو نو سال درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے والے اس کتاب کے نام تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ بات اس ثبوت کیلئے کافی نہیں کہ ایسے مسائل عوامی نہیں ہوتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کو ختم کیا تھا اور آج طلوع اسلام اس اختلافِ قراءت کی عوام میں اشاعت کر کے ایک دوسرا فتنہ بپا کر کے امت میں ذہنی انتشار پھیلا رہا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر یہ اختلافاتِ قراءت احادیث میں مذکور نہ ہوتے تو کیا شیعہ حضرات متعہ کے قائل نہ ہوتے یا مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کا دعوی نہ کرتا۔ جب تمام امت کا مصحف عثمانی پر اتفاق ہے۔ شیعہ حضرات بھی اس متداول قرآن کو معتبر سمجھتے ہیں اور مرزائی بھی۔ تو ایسے اختلافات قراءت ثبوت نہیں بن سکتے۔ البتہ یہ لوگ ایسی روایات کو بطور تائید ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہی کچھ وہ کرتے ہیں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر احادیث میں ولا محدّث والی قراءت کا ذکر نہ ہوتا تو مرزا قادیانی نبوت کا دعوی نہ کرتا؟ قراءت میں تو ذکر محدث کا ہے اور قادیانی صاحب کا دعوی نبوت کا ہے پھر اس لفظ محدث سے نبوت کا استشہاد کیونکر درست سمجھا جا سکتا ہے؟

اسی طرح متعہ کے مسئلہ کی بنیاد بھی محض یہ اختلافات قراءت نہیں، بلکہ اس کا تعلق ناسخ و منسوخ سے ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ خاصی تفصیل چاہتا ہے اور طلوع اسلام نے بھی مقام حدیث میں ایک مستقل الگ باب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اسی لیے ہم نے بھی الگ عنوان کے تحت قلمبند کر دیا ہے۔

رہی بات کہ لفظ أرجلكم کے ل پر زبر نازل ہوئی تھی یا زیر، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نازل تو نہ زبر ہوئی تھی نہ زیر۔ دور نبوی ﷺ میں عربی زبان کو کوفی رسم الخط میں لکھا جاتا تھا جو قلیل اللفظ تھا۔ یعنی زیر، زبر تو درکنار نقطے بھی بہت کم ہوتے تھے لہٰذا اگر ہم اس قضیہ کا فیصلہ کرنے کے لئے نیشنل لائبریری کراچی میں ایوب خاں صاحب کا روس سے مصحف عثمانی کا لایا ہوا عکس دیکھ بھی لیں تو یہ چنداں سودمند نہ ہوگا۔

اب ہم طلوع اسلام کی منشاء کے لئے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ قراءت کے اختلافات کی سب روایات غلط ہیں اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس پر زبر ہی تھا اور ایسے ہی آپ ﷺ نے امت کو پڑھایا تھا تو کیا ارجلكم پڑھنے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا؟ جبکہ ارجلكم (ل کی زبر) پڑھنے کے باوجود بھی قواعد زبان کی رو سے دلائل ترجیح دونوں طرف قریب قریب برابر ہیں؟ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر آپ اس کا کیا حل تجویز فرمائیں گے؟

اس کا صحیح حل وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا تھا۔ ایسے اختلافات والی تمام تر قراءت حسب ارشاد الٰہی بھلا دی گئیں (۲/۱۰۶) اور یہ کچھ ہوا منشائے الٰہی کے عین مطابق تھا کیونکہ اللہ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات جو اس ضمن میں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں کئی طرح سے کلام کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اگر اللہ ایک ہی وقت لاکھوں انسانوں کی بات سن سکتا ہے تو اسے ایک ہی وقت میں کئی طرح سے کلام کرنے پر قادر بھی تسلیم کر لیا چاہیے اور چونکہ پیغمبروں کو بسا اوقات جبریل کے ذریعہ کلام پہنچاتا اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام ہی سے یہ کہا تھا کہ وحی میں زیادہ قراءتوں کی اجازت دی جائے۔ اس کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ جاننا نہ ہمارے لیے ضروری ہے، نہ ہم جان سکتے ہیں۔ البتہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

آرتھر جیفری کی تالیف:

بات دراصل یہ ہے کہ عرصہ دراز سے مستشرقین کی یہ عادت بن چکی ہے کہ علمی تحقیق وتنقید کے نام پر اسلام پر ہر محاذ سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس علمی تحقیق میں اور تو سب کچھ ہوتا ہے، لیکن ایمانیات کو چنداں دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کے ایک مستشرق آرتھر جیفری ہیں جنہوں نے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد کہیں سے ڈھونڈ کر اس کو شائع کر دیا اور ساتھ ہی ایسے بعض دوسرے کتاب المصاحف کے نسخوں سے ایک جدول تیار کر کے پیش کر دیا ہے۔ جس میں ہر طرح کے اختلافات سے تعلق رکھنے والی ہر روایت، خواہ وہ کس درجہ کی تھی، کو اس جدول میں درج کر کے ثابت یہ کرنا چاہا ہے کہ مصحف عثمانی کے بعد سے آج تک تو مان لیا کہ قرآن میں کچھ فرق نہیں پڑا، لیکن اس سے پہلے کی متن کی صحت اور اس کے خالص وحی الٰہی ہونے کا کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ روایات میں یوں مذکور ہے کہ یہ آیت یا سورۃ یوں بھی نازل ہوئی تھی۔ اور یوں بھی، اور کتاب المصاحف کو اس کے ساتھ اس لیے طبع کر دیا ہے کہ حوالہ کا کام دے سکے۔ اس مستشرق نے ساری کتاب المصاحف کا انگریزی ترجمہ شائع نہیں کیا۔ بلکہ اختلافات کے صرف اس حصہ کو نمایاں کر کے شائع کیا ہے، جس کی اسے ضرورت تھی۔ اس طرح اس نے ثابت یہ کرنا چاہا ہے کہ جو صورت بحیثیت تحریف وتبدل تورات اور انجیل کی ہے وہی قرآن کی بھی ہے۔ پھر فرق کیا رہا؟

اب طلوع اسلام جو خود بھی اس بات کا قائل نہیں کہ یہ قراءت یوں بھی ہو سکتی ہے اور یوں بھی، بھلا اس مستشرق کو کیا جواب دے سکتا تھا؟ الٹا روایات پر برس پڑا اور اسی پرانی سرتال میں فرمایا:

’’عجم کی سازش اس سے کہنا یہ چاہتی ہے کہ قرآن کریم میں پہلی صدی کے آخر تک تبدیلیاں ہوتی رہیں اور یہی وہ زمانہ ہے جب احادیث کی تدوین شروع ہوئی تھی یعنی امام مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ کا زمانہ۔ لہٰذا اس وقت قرآن وحدیث دونوں ہی غیر محفوظ شکل میں تھے۔ ہمارے پاس قرآن بھی ایک تابعی، اور احادیث بھی تابعین ہی کی جمع کردہ ہیں۔ لہٰذا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ قرآن ایک ایسے تابعی کا ہے جو ظلم وستم اور فسق وفجور میں آج تک ضرب المثل ہے، اور حدیث امام زہری رحمہ اللہ کی ہے (حجاج کا سن وفات ۹۵ھ ہے، لیکن اعراب اس نے ۸۶ھ میں لگوائے تھے اور امام زہری رحمہ اللہ کا سن وفات ۱۲۷ھ ہے۔ یہ تو وہ ربط ہے جو طلوع اسلام نے قائم کرنا چاہا ہے مگر ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تدوین کتابت حدیث کا کام دور نبوی ﷺ میں شروع ہو چکا تھا۔ اس بات کو ہم اس کے مقام پر تفصیل سے پیش کر چکے ہیں۔) جو ائمہ حدیث کے نزدیک نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔‘‘ [مقام حدیث: ۲۹۸]

حفاظت قرآن سے متعلق ایک اعتراض اور اس کا جواب

طلوع اسلام سے کسی نے پوچھا تھا کہ حفاظت قرآن سے متعلق داخلی شہادتیں تو صرف مسلمانوں کے لئے کار آمد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ غیر مسلم اس کا کیوں اعتبار کریں اور خارجی ثبوت تاریخ ہی سے مل سکتے ہیں، جس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ ظنی چیز ہے۔ پھر ایک ایسی چیز جو خود ظنی ہے دوسری کو یقینی کیونکر ثابت کر سکتی ہے؟ تو اس کا جواب آپ نے یہی دیا کہ ''ایمان بذات خود سچ اور سائنٹیفک چیز ہے اور پرانی یا تاریخی شہادتوں میں سے جو اس قرآن کے مطابق ہوگی اسے ہم سچا قرار دیں گے اور وہ قرآن کی تائید میں پیش ہو کر خود اپنی سچائی کا سرٹفیکیٹ حاصل کرے گا۔'' اب بتلائیے کیا اس جواب سے اس مستفسر کی تسلی ہوگئی ہوگی؟ [تفصیلات کے لئے دیکھئے قرآنی فیصلے، عنوان حفاظت قرآن کریم]

حفاظت قرآن کے خارجی ثبوت

اس مسئلہ میں پرویز صاحب نے جس بے بسی کا اظہار فرمایا ہے وہ ظاہر ہے اگر آپ اپنے ایمان کو سچا اور سائنٹیفک سمجھتے ہیں تو اس لحاظ سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو سچا اور سائنٹیفک سمجھے اور ہر اس بات کا انکار کر دے جو اس کے ایمان کے خلاف ہو۔ پرویز صاحب واقعی خارجی ثبوت مہیا کر بھی نہیں سکتے۔ جبکہ ہمارے نزدیک کم از کم دو خارجی ثبوت ضرور موجود ہیں۔

① حفظ قرآن

حفظ قرآن کا سلسلہ دور نبوی ﷺ سے شروع ہوا اور آج تک بلا انقطاع جاری وساری اور ہر آن اضافہ میں ہے۔ حفاظت قرآن کا یہ ایسا زندہ ثبوت ہے جس کا ہر شخص کسی وقت بھی تجربہ کر سکتا ہے۔ مگر طلوع اسلام کے نظریات کے لحاظ سے بے کار ہے، کیونکہ قرآن رٹا کے بغیر حفظ نہیں ہوسکتا اور طلوع اسلام بلا سوچے سمجھے تلاوتِ قرآن کا مخالف ہے۔ حفظ عموماً بچپن میں کرایا جاتا ہے، پھر عجمی لوگ بھی حفظ کرتے ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر قرآن کے معانی ومطالب نہیں سمجھتے اگر کوئی پڑھا لکھا قرآن کے معانی پر ہی غور کرتا رہے تو حفظ نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں طلوع اسلام قرآن پاک کے صوتی اعجاز کا قائل نہیں بلکہ وہ اس صوتی اعجاز کا سلسلہ عہد سحر سے منسلک کرتا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے تلاوت قرآن پاک) لہٰذا اس جماعت میں کوئی حافظ آپ کو کم ہی نظر آئے گا۔ پھر ان حضرات کو حفاظت قرآن کا یہ زندہ ثبوت نظر کیسے آئے؟

② مستند احادیث

حفاظت قرآن کا دوسرا جیتا جاگتا ثبوت مستند احادیث کا وجود ہے۔ جسے طلوع اسلام ناقابل اور ظنی چیز سمجھتا ہے اور محض تاریخ کے مقام پر لے آتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس ظنی اور ناقابل اعتماد چیز کو کسی وقت حفاظت قرآن بلکہ حفظ قرآن جیسے اہم مسئلہ میں پیش کر دیتا ہے مثلاً

> ''اور تاریخ سے ہمیں اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حفاظ سے بار بار قرآن کو سنا کرتے تھے اور خود بھی ان کو سناتے تھے، اس مقصد کے لئے مکہ میں حضرت ارقم مخزومی کا مکان متعین تھا۔ اور مدینہ میں مسجد نبوی میں صفہ عام طور حفاظ کا مرکز تھا، چنانچہ حضور کی وفات کے وقت سینکڑوں حفاظ ایسے موجود تھے اور ان میں سے متعدد ایسے تھے جن کو سند خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔'' [قرآنی فیصلے: ۲۱۷]

اب خدارا بتلائیے کہ جس شخص کی تمام عمر پورے مجموعہ حدیث کو ناقابل اعتماد قرار دینے میں گزری ہو اسے حدیث سے استفادہ کا حق پہنچتا ہے؟ یہی تو سائل کا اعتراض تھا پھر آپ نے جواب میں وہی ظنی چیز پیش فرما دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ